Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 5, Issue 2
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

ڈاکٹر شازیہ شریف
اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین، شورکوٹ کینٹ

کرشن چندر کے افسانوں میں نوآبادیاتی عناصر

Dr. Shazia Sharif
Assistant Professor Government Graduate College for Women Shorkot Cantt

Colonial Elements in Krishnachandra's Short Stories

Krishan Chandar is renowned short story fictional writer. He has woven his stories from the society and depicted the bitter realities in impressive style. In colonial era, Krishan observed its harsh impacts on layman's life with the help of satitical realism and social consciousness, he becomes the writer of departion unaccomplished dreams and poverty of common masses due to imperialism and capitalisim. Having core affinity to progressive movement he wrote masterpiece with his artist mind. Mostly his characters are from bottom of society who are being crushed under the heavy boots of colonisess and imperialists.

Key words: Consciousness, affinity, imperialism, depitration, capitalisim

کرشن چندر اُردو افسانے کے اہم اور بنیادی ستون ہیں۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران جنم لینے والے (۱۹۱۴ء) کرشن چندر خطہ ہند میں دورِ نوآبادیات کے سماجی و تہذیبی اور اقتصادی پہلوؤں پر پوری گرفت کے حامل قلم کار ہیں۔ تعلیم یافتہ گھرانے میں پرورش اور تعلیم و تربیت نے ان کی عصری حسیت اور تاریخی و تہذیبی شعور کو پختگی عطا کی جو ان کے افسانوں میں بجا طور پر جھلکتی ہے۔

پرتگالی جہاز راں واسکوڈے گاما نے خطہ ہندوستان کے مصالحوں کی مہک اور اہلِ حرفت کے فنون کی کاریگری نے اہلِ یورپ کو ورطہ حیرت میں مبتلا کیا تو اہلِ مغرب اس کی ساحرانہ کشش میں کھچے چلے آئے۔ اہلِ یونان و فارس، عرب و مغل کی آمد کے بعد سولہویں صدی تک بحیرہ عرب کی ساحلی بستیاں ڈچ، فرانسیسی اور انگریزوں کی آمد و سکونت سے آباد تھیں۔ دربارِ جہانگیر میں تامس روئی کی تیس سالہ جدوجہد رنگ لے آئی تھی اور انگریز تاجروں کے ساتھ تجارت کی اجازت ایک نئے تاریخی باب وا کرنے کو تیار تھی۔ مغلوں کے دورِ زوال میں سیاسی و معاشی بدحالی اور بیرونی حملہ آوروں کے تسلسل کے ساتھ حملے، محلاتی سازشوں اور کمزور جانشینوں کی نااتفاقی و اہل ہوس کی غداری نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو پورے ہند کا مالک بنا دیا۔

معاشی و تہذیبی استحصال کی اس ڈیڑھ صدی کی داستان جو دورِ نوآبادیات کہلائی، نے بہت سے سانحات و تغیرات دیکھے۔ قحط بنگال، جلیانوالہ باغ، ثقافتی و تہذیبی بدلاؤ، زبان و ادب اور شناخت کے مسائل، معاشی و اقتصادی بحران، نئی سیاسی جماعتوں کی تشکیل، مذاہب کی بنیاد پر تقسیم، سائنس و جدت، ریلوے و ڈاکے کے نظام، آب پاشی کے ذرائع، صنعتی معاشرت سے زرعی معاشرت کی کہانی، تحریکِ آزادی اور تقسیم ہند، غرض حیاتِ انسان کا ہر گوشہ متاثر ہوا۔

کرشن چندر کے افسانوں کی دنیا مندرجہ بالا پہلوؤں سے ہی آباد ہے۔

طلسمِ خیال کی رومان پرور فضا کا سحر حیاتِ بے ثبات ہندوستانی معاشرت سے دلی جڑت، افلاس و کسمپرسی کی قبا میں لپٹی ننگِ انسان کی وحشت کرشن چندر کے قلم کو بے رحم بنا دیتی ہے۔ سنگلاخ حقیقتوں کا بیان کشمیر کے قدرتی حسن کی دیومالائی واساطیری یاد کو گہنا دیتا ہے۔ مہالکشمی کا پل، کچرا بابا، دو فرلانگ لمبی سڑک، ہم وحشی ہیں، یوکلپٹس کی شاخ اور بہت سارے افسانے نوآبادیات کے ان تاریک پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں جن میں ہندوستان کا ہر عام آدمی دوچار تھا۔

ترقی پسند تحریک سے وابستگی نے کرشن چندر اور کرشن چندر نے اس فکری تحریک کو متاثر کیا۔ زندگی اور ادب کے اس اٹل جوڑ نے اردو ادب کو حریت فکر، سرمایہ

دارانہ وجاگیر دارانہ نظام کے خلاف توانا آواز اور نوآبادیاتی نظام میں جکڑے عوام کے معاشی استحصال کے خلاف ایک مضبوط پلیٹ فارم مہیا کیا۔

اردو افسانہ جو نوآبادیاتی دور میں ہی اردو ادب کا حصہ بنا۔ ۱۹۰۳ء میں ''خدیجہ اور نصیر'' اور پھر ''دنیا کا سب سے انمول رتن'' داستانوی ادب کے طویل اسلوب و ہیئت سے نجات کا استعارہ تھے۔ اردو افسانے نے بہت جلد ہی معاشرے کی حقیقی زندگی کی عکاسی سے اپنا دامن بھر لیا۔ پریم چند، سجاد حیدر یلدرم، راشد الخیری، مہاشہ سدرشن، اختر کرینوی، محمد علی رودلوی، اشک، خواجہ حسن نظامی اور خواجہ احمد عباس اس صنفِ ادب کے معمار اولین ٹھہرے۔

تین دہائیوں کے بعد ہی سرمایہ دارانہ نظام اور بین الاقوامی سیاسی تناظر، غلامی و استحصال کی جکڑن اور انقلاباتِ زمانہ نے ترقی پسند تحریک کے لیے راہ ہموار کی۔ کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، سعادت حسن منٹو اور بلونت سنگھ و احمد ندیم قاسمی، عصمت چغتائی و حاجرہ مسرور اور رشید جہاں جیسے افانہ نگاروں نے اردو افسانے کو موضوع و تکنیک کے اعتبار سے ثروت مند کر دیا۔

اردو ناقدین کی کڑی تنقید کے باوجود یہ زود نویس افسانہ نگار شاہکار افسانے تخلیق کر گیا۔ کرشن چندر کے کردار زندگی کی عریاں حقیقتوں، دم توڑتی اقدار، تہذیبی و سماجی بدلاؤ اور انگریز کی حاکمیت کے خلاف سر گرداں دکھائی دیتے ہیں۔ وہ عملی طور پر کسی بغاوت کے داعی تو نہیں مگر احتجاج کی ایک توانا صدا ضرور چھوڑ جاتے ہیں جس کی بازگشت نوید صبحِ آزادی تک سنائی دیتی ہے۔

''دو فرلانگ لمبی سڑک'' صرف ایک سڑک نہیں بلکہ اپنے سینے پر اُن قدموں کی کہانی کی قلم کار بن جاتی ہے جو انسانوں کی بے بسی کا بوجھ اٹھائے لاشے بن جاتی ہیں۔ نوآبادیات میں محکومیت و غلامی کا شکار عرب رعایا پر انگریز سرکار کا حقِ ملکیت و ملوکیت ''دو فرلانگ لمبی سڑک'' بھی محسوس کرتی ہے۔ یہ وہ انسانی استحصال ہے جو نوآبادیات کا مکروہ چہرہ ہے۔ اصلاح و جدت کے لبادے میں نوآبادکار پولیس کے محکمے اور نظام انصاف کو اپنے مفادات اور رعب و داب کی دھاک بٹھانے کے لیے مختص کر لیتے ہیں۔ ظلم کے ان ضابطوں کے خلاف صدائے احتجاج کی ہمت خطہ ہند کے ان مفلوک الحال ہجوم میں نہیں جو قوم بننے کے منصب پر ابھی تک فائز نہیں ہو سکا۔

''ٹانگے والا ٹانگے کو سڑیٹ دوڑائے جا رہا ہے راستے میں ایک گورا آ رہا ہے۔ سر پر ٹیڑھی ٹوپی، ہاتھ میں بید کی چھڑی، رخساروں پر پسینہ، لبوں پر کسی ڈانس کا سُر۔ کھڑا کر دو، کنٹونمنٹ، آٹھ آنے صاحب۔۔۔ ویل چھے آنے، نہیں صاحب، کیا بکتا ہے ٹم۔ تانگے والے کو مارتے مارتے بید کی چھڑی ٹوٹ جاتی ہے۔ پھر تانگے والے کا چمڑے کا ہنٹر کام آتا ہے۔ لوگ اکٹھے ہو رہے ہیں۔ پولیس کا سپاہی بھی پہنچ گیا ہے۔ حرام زادے صاحب بہادر سے معافی مانگو تانگے والا اپنی میلی پگڑی کے گوشے سے آنسو پونچھ رہا ہے۔''(۱)

انگری صاحب بہادر دیسی عوام کو ہانکنے کے لیے ہاتھ میں چھڑی اور منہ میں گالی رکھتے ہیں۔ لارڈ میکالے کے نظام تعلیم نے نیٹوز کی جہالت کو علم سے نہیں بدلا بلکہ انہیں بہتر غلامی کے گر سکھائے ہیں۔ ہندوستانی غریب عوام کی پگڑی نظام نوآبادیات کے عطا کردہ استحصال و استداد سے میلی ہے۔ صرف جسم و روح کا رشتہ برقرار رکھنے کی دھن اور نسل کی بقاء کی فکر نے عوام سے سوچ و فلسفہ چھین لیا ہے۔

''پھٹی ہوئی دھوتیاں، ننگے پاؤں، تھکے ہوئے قدم یہ کیسے لوگ ہیں۔ یہ نہ تو آزادی چاہتے ہیں۔ نہ حریت۔''(۲)

کرشن چندر کے مندرجہ بالا لفظ جو دو فرلانگ لمبی سڑک سے ادا کروائے گئے ہیں۔ تیسری دنیا کی وحشی قوم کے جاہل اور بے حس لوگوں کے بارے میں ہے جن کا خطہ قدرتی حسن و معدنیات سے مالا مال ہے۔ جن کے کاریگروں کے ہاتھوں کی صناعی سے آنکھیں خیرہ ہوا کرتی تھیں۔ ان کی انگلیاں انگریز سرکار کے ملک کو خام مال مہیا کرنے کے لیے کاٹ دی گئی ہیں۔ اب وہ جاگیر داروں کے مزارعے یا غریب ہاری و کسان ہیں۔

ڈاکٹر انوار احمد کہتے ہیں:۔

''کرشن ''دو فرلانگ لمبی سڑک'' ایسا افسانہ تخلیق کرتے ہیں جس میں کئی نقش مل کر غلام ہند کی ملال انگیز تصویر بناتے ہیں۔ بھوک اور محرومی کا رقصاں عفریت، غلاموں کو شرف آدمیت سے محروم بناتا ہوا بدیسی آقا سے پٹ کر اپنی میلی پگڑی سے آنسو پونچھتا۔۔۔ کرشن، اس سنگین نگار خانے میں جذباتی ہو جاتا ہے۔''(۳)

کرشن چندر یورپی تہذیب و زبان اور توانا ثقافتی یلغار کے نتیجے میں بدلتی اقدار کے بھی جزئیات نگار ہیں۔ ''تائی ایسری'' میں بدلتے وقت کے ان نقاروں کی آہٹ سنائی دیتی ہے جو آنے والے وقت میں غالب رہنے والے ہیں۔

''اس زمانے میں صوفوں کی بجائے رنگین پیڑھیاں دی جاتی تھیں اور منقش پایوں والے پلنگ دیئے جاتے تھے۔ اس زمانے میں ڈرائنگ روم کو بیٹھک یا دیوان خانہ کہا جاتا تھا۔۔۔ ہماری برادری میں پہلی بار جہیز میں صوفہ سیٹ دیا گیا۔ ساری برادری میں اس صوفہ سیٹ کی دھوم مچ گئی۔''(۴)

افسانہ ''پرانا قرضہ'' میں کرشن چندر کا لب ولہجہ طنزیہ اور کاٹ دار ہے۔ انگریز حکمرانوں سے جس قرضہ کی ادائیگی کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ ردِ نوآدیات کے ناقدین عہد موجود میں بھی کر چکے ہیں۔ افسانہ میں چار خطوط کے ذریعے ہندوستان میں مندروں، مساجد اور کوہ نور پر قابض ہونے اور واپسی کا تقاضا نیز بیگمات اودھ کے خزانے کو نقصان پہنچانے کی تلافی کی استدعا کی گئی ہے:۔

''ان میں سے ہر خط اسی قسم کے قرضے کے بارے میں ہے۔ مگر جب ان رقموں کو جوڑا گیا تو معلوم ہوا کہ اگر ہر جانہ کی کل رقم ادا کر دی جائے تو مالی اعتبار سے انگلینڈ بالکل اسی جگہ پر پہنچ جائے گا جہاں وہ آج سے دو سو سال پہلے تھا۔''(۵)

''ویکسی نیٹر'' اور ''یوکلئیس کی شاخ'' نوآبادیاتی اثرات کی واضح جھلکیاں لیے ہوئے ہیں۔ قدامت پرستی سے جدت کی طرف قدم اٹھنے کی آہٹ صاف نظر آتی ہے۔ ہسپتالوں وڈسپنسریوں اور جدید طب کی بنیاد پڑی۔ چیچک جیسے وبائی امراض کے خلاف ویکسی نیشن کا اغاز ہوا۔ ذات پات کا نظام، ستی اور بیوہ سے شادی جیسی سماجی قباحتوں اور رسومات کی حوصلہ شکنی بھی کرشن کے ہاں دکھائی دیتی ہے۔

یوکلئیس کی شاخ جو فطری حسن کا استعارہ ہونے کے ساتھ مایوس انسانوں کو تسلی وپناہ کی علامت بھی ہے۔ اس افسانہ میں کرشن قحط کی قیامت اور اس کے دوران سرکاری کارندوں اور ذمہ داروں کا رویہ اس قحط کو ایک انسانی المیت میں بدل دیتا ہے۔

افسانے ''مہالکشمی کا پل'' اور ''کچرا بابا'' نوآبادیات کے نئے چہروں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ نوآبادکار تو ہندوستان کو خونی تقسیم وہجرت کے بعد الوداع کہہ گئے لیکن نوآبادیات چھوڑ گئے۔ ان کا اقتدار ان کے ایجنٹوں کے ذریعے برقرار رہا۔ صبح آزادی داغ داغ اجالا ثابت ہوئی۔ مہالکشمی کے پل پر چھے بدرنگ ساڑھیاں اس معاشی استحصال کی غماض ہیں جس نے بے بس عوام کا مقدر نہیں بدلا۔ شانتا بائی، جیونی بائی، ساوتری، جھوبھیئے منحولا اور لڑیا کی ساڑھیوں کے پھیکے پڑتے رنگ ان کی زندگیوں کی محرومیوں اور بوسیدگی کی کتھائیں ہیں۔

''وہ دن بھر اپنی کھولی میں کھڑا مہالکشمی کے اسٹیشن کے چاروں طرف بلند و بالا کارخانوں کی چمنیوں کو تکتا رہتا ہے۔ سیون مل، نیو مل، اولمل، پورا مل، معراج مل، لیکن اس کے لیے کسی مل میں جگہ نہیں۔ کیوں کہ مزدور کو گالی کھانے کا حق ہے گالی دینے کا حق نہیں۔''(۶)

''کچرا بابا'' میں افلاس واستحصال کی میراث کی منتقلی نسل در نسل ہوتی نظر آتی ہے۔ تعلیم وفکر سے محرومی، مذاہب کی غلط تشریح، اخلاقیات ونانسانی اقدار کی بے قدری وبے حرمتی اور ظالمانہ معاشی نظام نے مزدور ابن مزدور کو جنم دیا ہے۔

''ملک آزاد ہوئے، ملک غلام ہوئے۔ حکومتیں چلی گئیں، مگر یہ کچرے کا ٹب وہیں کا وہیں رہا۔''(۷)

کرشن چندر کے افسانے بارود اور چیری کے پھول، مقدس، ان داتا، پورپ دیس سے دلی، گیت اور پتھر نوآبادیات کے نظام کے اثرات کے مظہر ہیں۔

کرشن چندر جادوئی اور ساحرانہ بیان سے زندگی کی تلخ حقائق کو حقیقت پسندی سے پیش کرتے ہیں۔ وہ حیات انسان کے سچے قاری اور لکھاری ہیں۔ زندگی کی اس سچی پڑھت میں مکمل طور پر کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ کرشن چندر، ''دو فرلانگ لمبی سڑک''، مشمولہ: ''کرشن چندر کے انمول افسانے''، لاہور: عبداللہ اکیڈمی، ۲۰۱۰ء، ص ۶۸

۲۔ ایضاً، ص ۶۷

۳۔ انور احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، ملتان: کتاب نگر، ۲۰۱۷ء، ص ۱۴۲

۴۔ کرشن چندر، ''تائی ایسری''، مشمولہ: ''کرشن چندر کے انمول افسانے''، ص ۲۴۰

۵۔ کرشن چندر، ''پرانا قرضہ''، مشمولہ: ''کرشن چندر کے انمول افسانے''، ص ۴۱۱

۶۔ کرشن چندر، ''مہالکشمی کا پل''، مشمولہ: ''کرشن چندر کے انمول افسانے''، ص ۷۱

۷۔ کرشن چندر، ''کچرا بابا''، مشمولہ: ''کرشن چندر کے انمول افسانے''، ص ۳۷